شاہانِ مغلیہ کے کتب خانے اور اُن کا نظام

شاہان مغلیہ کا تین سو سالہ دور حکومت ہندوستان کی علمی اور ادبی تاریخ کا ایک روشن اور تابناک باب ہے۔ ان کی ادب نوازی اور معارف پروری نے اس ملک کی ساکت علمی فضا میں زندگی اور حرکت پیدا کر دی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ایک طرف اورنگ جہاں بانی ان کے زیر قدم تھا تو دوسری طرف اقلیم سخن بھی ان کے زیر نگیں تھی۔ دور دور سے ادیب، عالم اور شاعر مشتاق ہو کر یہاں آتے تھے اور اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھاتے تھے۔ تاریخ ادب پر حقیقتاً اس سے بڑھ کر اور کوئی ظلم نہیں ہو سکتا کہ ان کے کارناموں کو صرف ان کی رزمی زندگی میں دیکھا جائے یا میدان جنگ میں تلاش کیا جائے۔ اس مضمون میں ہم ان کی علمی زندگی کے ایک ایسے پہلو پر غور کرنا چاہتے ہیں جو اب تک تشنۂ تحریر و تعبیر ہے یعنی ان کے کتب خانے اور ان کا انتظام۔

شاہان مغلیہ کے کتب خانے: سلطنت مغلیہ کے بانی ظہیر الدین محمد بابر کو علم و ادب کا ذوق اپنے باپ سے ورثے میں ملا تھا۔ علم دوست باپ نے اس کی تعلیم کے لیے شیخ مزید داعلی اور مولانا عبداللہ جیسے متبحر علما کو منتخب کیا تھا۔ ان بزرگوں کی صحبت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ بابر کی وہ فطری صلاحیتیں جو علم و ادب کی طرف مائل تھیں یکدم اجاگر ہو گئیں۔ بارہ برس کی عمر میں وہ تخت پر بیٹھا اور جب تک وہ زندہ رہا، عمر بھر رشتہ داروں اور ناموافق حالات کے ہاتھوں میں کھلونا بنا رہا لیکن پھر بھی علم و ادب کے ذوق کا یہ عالم تھا کہ میدان جنگ میں جب بھی فرصت ملی تو بیاض نکالی اور شعر پڑھنے بیٹھ گیا۔ طبیعت کو موزوں پایا تو اس بیاض میں اور اضافہ کر لیا۔

جب بابر نے اپنے وطن کو خیرباد کہا اور ہندوستان کا رخ کیا تو اپنے اسلاف کے کتب خانوں سے ایسے بیش بہا نوادر کو منتخب کر کے ساتھ لے آیا جو اس کو کہیں حاصل نہ ہو سکتے تھے۔ وہ اپنے آبا کا ملک چھوڑ سکتا تھا لیکن علوم و فنون کے یہ ذخائر اسے چھوڑنے گوارا نہ تھے۔ ان ذخائر میں بیشتر مصوری اور نقاشی کے نوادر تھے۔ بقول مارٹن ہندی آرٹ نے ان کا بہت گہرا اثر قبول کیا۔ بابر کے اس ذخیرے سے عہد مغلیہ کے پہلے کتب خانے کی بنیاد پڑی۔

بابر کی محبوب کتابیں قرآن پاک، گلستان سعدی، شاہنامہ فردوسی، مثنوی نظامی، مثنوی خسرو، ظفرنامہ یزدی اور طبقات ناصری تھیں۔ بابر نامہ میں اس نے ان کتابوں کا متعدد جگہ ذکر کیا ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ اس نے ان کتابوں کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا۔ بابر کم از کم تین زبانوں عربی، فارسی اور ترکی سے واقف تھا۔ اس کے کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے حافظ اور سعدی اور اپنے معاصر مولانا جامی کے افکار و طرز ادا سے بہت اثر لیا تھا۔ رامپور کے کتب خانے میں بابر کا دیوان بھی موجود ہے۔

بابر خود صاحب تصنیف تھا۔ فن عروض پر ایک رسالہ لکھا تھا۔ خواجہ عبیداللہ احرار کی ایک کتاب "رسالہ والدیہ" کو اس نے ترکی نظم میں منتقل کیا تھا اور اس کمال کے ساتھ کہ مصنف کا کوئی خیال ایسا نہ تھا جو پوری وضاحت اور نفاست کے ساتھ اس میں نظم کیا گیا ہو۔

ہندوستان میں بابر کو کل پانچ سال جتنا نصیب ہوا اور یہ مدت بھی بیشتر میدان جنگ میں بسر ہوئی لیکن علمی ذوق کا یہ حال تھا کہ جب کسی مہم کے دوران میں کوئی کتب خانہ ملتا تو اپنے بیٹے ہمایوں کے سپرد کر دیتا تھا۔ ۱۵۲۶ء میں بابر کو پنجاب کے افغان امیر غازی خان کا کتب خانہ دستیاب ہوا۔ یہ امیر علم دوست تھا اور کتابوں کا بڑا شوقین تھا۔ بابر نے اس کتب خانے میں سے کچھ کتابیں منتخب کر کے ہمایوں اور کامران کے پاس بھیج دیں۔ کتابوں کے معاملے میں بابر کا ذوق اس قدر اعلیٰ تھا کہ کتب خانہ اس کو پسند نہ آیا اور لکھا: "مجھے اس میں اتنی اچھی کتابیں نہیں ملیں جتنی میں توقع کرتا تھا۔"

نفاست بابر کے خمیر میں تھی کتابوں کے حاشیوں کو مزین کرنے کا رواج سب سے پہلے اسی کی بدولت ہوا۔ پھر خط بابری ایجاد کیا اور اس خط میں قرآن کا ایک نسخہ لکھ کر مکہ معظمہ کو بھیجا۔ یہ اس شخص کا علمی ذوق تھا جس کو زندگی میں بہت کم دن ایسے ملے کہ جب کسی دشمن کا مقابلہ کرنا یا اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی نہ پڑی ہو۔

ہمایوں اقلیم سیاست میں نہ سہی لیکن اقلیم ادب میں تو یقیناً اپنے باپ کا سچا جانشین تھا۔ شاعری ہو یا ریاضیات، فلکیات ہو یا نجوم اس کا ذہن سب پر یکساں حاوی تھا۔ تذکرہ بخاری میں لکھا ہے:

"باوجود کثرت مشاغل جہانبانی شغل تحصیل علوم مخفی نمی نمودہ"

ہندوستان میں گو بہادر شاہ اور شیر شاہ کی پیہم نبرد آزمائیوں نے ہمایوں کی زندگی وبال کر دی تھی لیکن مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ جنگی مہمات میں بھی کتابیں اس کے ساتھ رہتی تھیں۔ مراعات سکندری کے مصنف نے لکھا ہے کہ اس کا باپ (جو ہمایوں کے کتب خانہ کا مہتمم تھا) ہر وقت کتابوں کو بادشاہ کے حضور میں پیش کرنے پر مامور رہتا تھا۔ بادشاہ کو کتابوں کے مطالعہ کا ایسا شوق تھا کہ پیہم کتابوں کا مطالعہ کرتا رہتا تھا۔ تزک جہانگیری میں ہمایوں کے کتب خانہ کے مہتمم نظام کا جو باز بہادر کے لقب سے مشہور تھا ذکر ملتا ہے۔

کاؤنٹ نوئر نے لکھا ہے کہ ہمایوں جب شکست کھا کر ہندوستان سے جا رہا تھا تو اس وقت چند نادر کتابیں اس بے سروسامانی کے عالم میں بھی اس کی رفیق سفر تھیں۔

دہلی کے پرانے قلعہ میں شیر شاہ نے ایک نشاط گاہ شیر منڈل کے نام سے بنوائی تھی۔ جب ہمایوں دوسری مرتبہ دہلی کے تخت پر آیا تو اس نے عشرت گاہ کو کتب خانہ میں تبدیل کر دیا۔ یہ کتب خانہ ہیئت، ریاضی اور نجوم میں بے نظیر تھا۔ اسی کتب خانہ کی سیڑھیوں سے گر کر ہمایوں نے جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

اکبر کے متعلق عام طور سے مشہور ہے کہ وہ جاہل شخص تھا، لیکن یہ سراسر غلط ہے اور یہ غلط فہمی ابو الفضل کی عبارت نہ سمجھ سکنے کے باعث پیدا ہوئی ہے۔ ابو الفضل نے اکبر کے لیے امی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس زمانہ میں امی کا لفظ اصطلاحاً اس شخص کے لیے استعمال ہوتا تھا جو عربی سے ناواقف ہو۔ اس سے مقصود ایسا شخص نہیں تھا جو علم سے بالکل ہی نابلد ہو۔ اگر کوئی شخص دنیا کی تمام زبانوں سے واقفیت رکھتا ہو لیکن عربی زبان نہ جانتا ہو تو اس زمانہ کی مروجہ اصطلاح میں امی کہا جا سکتا تھا۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی پیش نظر رکھنی ضروری ہے کہ ابو الفضل اکبر کو پیغمبرانہ اوصاف سے متصف کرنا چاہتا تھا اس لیے ضروری تھا کہ اسے امی بھی کہا جائے۔ جدید تحقیقات یہ ہے کہ اکبر پڑھا لکھا انسان تھا۔ ابو الفضل نے لکھا ہے کہ وہ مثنوی مولانا روم اور دیوان حافظ کا دلدادہ تھا اور نہایت روانی کے ساتھ دونوں کے اشعار سناتا تھا۔ اس کی علم نوازی اور قدر دانی کی شہرت سے ہندوستان اور بیرون ہندوستان کے بہترین دماغ دربار شاہی میں جمع ہو گئے تھے۔ یہ لوگ دن رات معدن جان سے جواہر نکالتے اور شاہ کے حضور میں نذر گزرانتے تھے۔

اکبر نے جو کتب خانہ قائم کیا تھا وہ بقول ایک مشہور مورخ اس قدر قیمتی تھا کہ اس سے پہلے اتنے قیمتی کتب خانہ کا وجود نہیں ملتا۔ ابو الفضل نے لکھا ہے:

"و گیتی خداوند را فراوان آگہی کتابخانہ را بر چند گونہ فرمودہ برخی درون ... و برخی بیرون ... و ہر کدام را ... [illegible] ... نظم و نثر ... ہندی و فارسی و یونانی و کشمیری و عربی ... [illegible] ... روز بروز کاردانان ... [illegible] ... ہمایون ... [illegible] ... داستانہائے باستانی و غرائب علوم و نوادر حکمی ..."

پیشوائے دانش منشاں نقصان گرامی نباشد، از نگرش و دانش
——— دل دیگر و دلفروزان خواہش نباشد، ہموارہ او
اخلاق ناصری، کیمیائے سعادت، قابوس نامہ، مکتوبات شرف منیری، گلستاں، حدیقہ، مثنوی معنوی، جام جم، بوستاں، شاہنامہ، خمسہ شیخ نظامی، کلیات خسرو، مولانا جامی، دیوان خاقانی و انوری و دیگر تاریخ ہا بہ در پیش گاہ حضور می خوانند۔

قلعہ آگرہ میں ثمن برج کے قریب اکبر کا کتب خانہ کے لیے مخصوص تھا۔ اس میں کتابوں کی کل تعداد چوبیس ہزار تھی جن کی قیمت کا اندازہ چونسٹھ لاکھ روپیہ کیا جاتا تھا۔ اس کتب خانہ میں برابر اضافے ہوتے رہتے تھے۔ اہل علم جو کتابیں لکھتے تھے ان کا ایک نسخہ شاہی کتب خانہ میں ضرور بھیجتے اور فتوحات سے جو کتابیں ملتیں ان کو کتب خانہ میں داخل کر دیا جاتا۔

۱۵۹۵ء میں جب فیضی کا انتقال ہوا تو اس کی ۴۳۰۰ منتخب قلمی کتابیں شاہی کتب خانہ میں شامل کر دی گئیں اور اس اضافے نے اکبر کے کتب خانہ کی اہمیت اور حیثیت بڑھا دی۔

اکبر کا کتب خانہ صرف مخطوطات پر مشتمل تھا۔ وہ چھپی ہوئی کتابیں رکھنا پسند نہ کرتا تھا۔ جیسوٹ مشن JESUIT MISSION نے ایک مرتبہ کچھ چھپی ہوئی کتابیں اکبر کی خدمت میں پیش کیں، اس نے مشن کا دل رکھنے کے لیے شاہی کتب خانہ میں داخل کرنے کا حکم دیدیا لیکن بعد کو یہ سب کتابیں خارج کرا دیں۔

اکبر کے کتب خانہ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس میں مصنفین کے دست خاص کے لکھے ہوئے نسخے موجود تھے۔ علمائے عصر اور علمائے ماضی کی خود نوشت کتابوں نے اکبر کے کتب خانے کو دنیا کے کتب خانوں میں ایک امتیازی حیثیت دیدی تھی۔

اکبر کو کتابوں کے خوش خط لکھوانے اور ان کو مصور کرانے کا بڑا شوق تھا۔ دربار کے خوشنویس اور مصور اپنے فن سے کتب خانہ کی زینت بڑھاتے اور اکبر سے انعام و اکرام پاتے۔

خواجہ عبدالصمد شیریں قلم اپنے فن میں یگانۂ روزگار سمجھا جاتا تھا۔ اس نے عہد اکبری کی بہت سی تصانیف کو خط نستعلیق میں لکھا اور رنگ برنگ اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین کیا کہ جس نے دیکھا وہ محو حیرت ہو گیا۔ خواجہ عبدالصمد نے کہانیوں کی ایک کتاب داراب نامہ کو الفاظ کی بجائے تصاویر میں مرتب کر کے اکبر کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

اکبر نے داستان امیر حمزہ کو ۱۴۰۰ تصاویر سے آراستہ کرایا۔ خمسہ نظامی، شاہنامہ وغیرہ کو نہایت پاکیزہ خط میں لکھوا کر مصور کرایا۔ اس کے حکم سے مہابھارت کا فارسی ترجمہ رزم نامہ کے نام سے کیا گیا جس میں تمام معرکوں کی تصاویر بنوائی گئیں۔ یہ ترجمہ پانچ سال میں مکمل ہوا اور دس لاکھ روپیہ اس پر صرف ہوا۔ رزم نامہ کا وہ نسخہ جے پور کے کتب خانہ میں ہے۔ سنسکرت کی اور کتابوں کے بھی فارسی میں ترجمے ہوئے اور فارسی و عربی کی بہت سی کتابیں سنسکرت میں منتقل کی گئیں۔ ان سب کتابوں کو عمدہ نستعلیق میں لکھوایا اور تصویروں سے مزین کرا کے کتب خانہ میں داخل کیا گیا۔ شاہی کتب خانہ میں پندرہ ہزار ایسے قلمی نسخے تھے جن کو اکبر نے دوبارہ خوشخط لکھوایا تھا۔

جہانگیر نے علم و ادب سے شغف اور مطالعہ سے دلچسپی ورثہ میں پائی تھی۔ باپ کے کتب خانہ کے علمی نوادر نے ان صلاحیتوں کو اور اجاگر کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ علم و فن کے سرمایہ پر احتساب بین نگاہ ایک نقید نگار کی حیثیت سے اس کی نگاہ جوہر شناس، ایک نقاد اور صحیح تھی اس کا اندازہ لگانا محال ہے۔ مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ جہانگیر نے اپنی تزک میں جن شاعروں کے متعلق جو رائے ظاہر کی ہے وہ حرف آخر ہے۔ جہانگیر کو جو کتب خانہ وراثت میں ملا تھا اس نے اس کی امتیازی شان کو نہ صرف قائم رکھا بلکہ اس میں قابل قدر اضافے بھی کیے۔ جہانگیر کا کتب خانہ نوادرات [illegible] کا تھا اور علم و ادب، شعر و شاعری کے بہترین نوادر اس میں موجود تھے۔ کتابوں کی فراہمی اور نگہداشت میں بھی وہ اکبر ہی کی مثل تھا۔ مکتوب خاں کتب خانہ کا مہتمم تھا۔ جہانگیر کو سفر میں بھی کتابوں کی جدائی گوارا نہ تھی اور کتب خانہ کا ایک حصہ سفر میں ساتھ رکھتا تھا۔ جب وہ گجرات پہنچا تو اس نے اپنے سفری کتب خانہ میں سے وہاں کے علماء اور مشائخ کو چند کتابیں عطا کیں

اور ان پر گجرات پہونچنے اور کتاب دینے کی تاریخ اپنے قلم سے تحریر کی۔

جہانگیر کتابوں پر اپنے ہاتھ سے اکثر نوٹ بھی لکھا کرتا تھا مرزا کامران کے دیوان کا پہلا ورق جو دستیاب ہوا ہے اس پر جہانگیر کے قلم کے کچھ نوٹ درج ہیں۔ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے کتب خانہ میں ترکی دیوان کا ایک نسخہ موجود ہے جس پر جہانگیر کے دست خاص کی یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

اللہ اکبر

بتجم آذر سنہ ۱ داخل کتابخانہ

این نیاز مند درگاہ الہی

نور الدین جہانگیر بن اکبر بادشاہ

۱۰۱۳ھ

شاہجہاں کی ذہنی ذکاوت ہی علم و ادب کی بجائے فن تعمیر میں جلوہ گر نظر آتی ہے لیکن پھر بھی اس کا عہد علمی سرگرمیوں سے خالی نہیں۔ شاہجہاں بہت بڑا عالم و فاضل تھا۔ اس کی علمی قابلیت اور سخن فہمی کا اندازہ "عمل صالح" سے ہوتا ہے اس کے دربار میں ہر ملک کے علما و فضلا حاضر ہوتے اور شاہجہاں خود ان کے مذاکرات علمیہ میں شریک ہوتا تھا۔ اہل فن کی قدردانی اور ارباب علم کے ساتھ اس کی فیاضیاں بے مثل تھیں۔

شاہجہاں کا کتب خانہ نہایت شاندار تھا۔ ایک جرمن سیاح [illegible]ء میں ہندوستان آیا تھا وہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے: "شاہجہاں کے کتب خانہ میں چوبیس ہزار کتابیں ہیں جن کی جلدیں نہایت اعلیٰ ہیں۔ شاہجہاں فن خطاطی میں ایسا کمال رکھتا تھا کہ اسے ہیبر خطاطی کہا جاتا ہے اور اسی لیے اس کے کتب خانے کے مہتمم اکثر خوش نویس تھے۔

اورنگ زیب عالمگیر بچپن ہی سے علما اور فضلا کی صحبت میں رہنے کا شائق تھا اور اسی زمانہ سے اس کو کتابیں جمع کرنے کا شوق ہو گیا تھا۔ وہ حکمرانی کے مشاغل کے باوجود کتب بینی کا والہانہ ذوق رکھتا تھا۔ عالمگیر کو علوم دینیہ سے فطرتاً لگاؤ اور رغبت تھی۔ اس خاص رجحان اور دلچسپی نے شاہی کتب خانہ کی نوعیت بدل دی تھی اور عالمگیر کا کتب خانہ مذہبی کتابوں کے لیے مخصوص ہو گیا تھا جس کے لیے اطراف عالم سے کتابیں حاصل کرنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ کتب خانہ میں کتابوں کی تعداد معاصر تاریخوں میں نہیں ملتی لیکن اس کی وسعت کا اندازہ فتاوائے عالمگیری کی تالیف سے ہو سکتا ہے۔

فتاوائے عالمگیری اورنگ زیب عہد کا ایک علمی کارنامہ ہے اس کی تدوین کے لیے علما اور فضلا کا ایک بورڈ مقرر کیا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب آٹھ سال میں مکمل ہوئی اور اس پر لاکھوں روپیہ صرف ہوا۔ اس تالیف سے عالمگیر کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ فتاویٰ کا ہر صفحہ خود پڑھوا کر سنتا، اور حوالوں کا اصل کتابوں سے مقابلہ کرتا۔ اس سلسلہ میں حدیث و فقہ کی ان گنت کتابوں سے استفادہ کیا گیا تھا اور یہ سب کتابیں شاہی کتب خانہ میں موجود تھیں۔ حقیقتاً عالمگیر کا کتب خانہ مذہبی علوم و فنون کے ذخیروں سے مالا مال تھا۔

عالمگیر مہمات کے دوران میں کتابوں کا خاص خیال رکھتا تھا اور نادر کتابوں کو فوراً اپنے کتب خانے میں منتقل کرا دیتا تھا۔ نواب حبیب الرحمان خاں شیروانی مرحوم کے کتب خانے میں مثنوی گرے چوگان کا ایک نسخہ موجود ہے جو عالمگیر نے فتح گولکنڈہ کے مال غنیمت میں حاصل کیا تھا۔

کتب خانوں کا انتظام: شاہان مغلیہ نے اپنے کتب خانوں کے انتظام کے سلسلے میں ایک مخصوص محکمہ قائم کیا تھا جو مندرجہ ذیل عملہ پر مشتمل تھا۔

مہتمم، تحویلدار، کاتب، حاشیہ نگار، مصور، جلد ساز، وراق، محافظ۔

مہتمم: یہ عہدہ اپنی ذمہ داریوں کے اعتبار سے بہت اہم تھا۔ کتب خانے کے تمام عملہ کی نگرانی، کتابوں کی فراہمی و جلد بندی اور ان کی نگہداشت غرض جملہ امور کا انتظام مہتمم ہی کے سپرد تھا۔ موجودہ زمانہ میں جو فرائض لائبریرین کے ہیں تقریباً وہی کام دور مغلیہ میں مہتمم کے ذمہ تھا۔ بادشاہ کے حضور میں مطلوبہ کتابیں پیش کرنے کا شرف بھی مہتمم کو ہی حاصل تھا۔

تحویلدار: جب کوئی کتاب شاہی کتب خانہ میں داخل کی جاتی تو اس کو تحویلدار کے حوالہ کیا جاتا تھا۔ وہ اس کتاب

پر پہلے شاہی مہر لگاتا پھر اپنی مہر لگاتا اور اس مہر کے نیچے تحویل یا بہ سنہ تحویل کرکے اپنے دستخط کرتا تھا۔ کتاب کی ذمہ داری اسی کی ہوتی تھی۔ بعض اہم کتابوں کے سلسلہ میں یہ احتیاط برتی جاتی تھی کہ جب تحویلدار بدلا جاتا تو نئے تحویلدار کو اپنی تحویل میں لینے کی تاریخ درج کرنی پڑتی تھی۔ بعض کتابوں پر ایک ہی بادشاہ کے عہد میں مختلف تحویلداروں کے دستخط اور تحویل کی تاریخیں ملتی ہیں۔ غرض کتابوں کی حفاظت کے لیے بڑی کوشش کی جاتی تھی۔ عام طور پر کتابیں شاہی کتب خانے سے ضائع نہیں ہوتی تھیں لیکن پھر بھی تاریخ میں چند واقعات ایسے ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہی کتب خانے بھی کتاب چوروں سے محفوظ نہ تھے۔ ابوالفضل نے لکھا ہے کہ ہمایوں کا دیوان اکبر کے کتب خانے میں تھا لیکن وہاں سے ضائع ہوگیا۔

کتاب کی نوعیت اور اہمیت کے مطابق اس کے رکھنے کی تحویلدار کو ہدایت کی جاتی تھی۔ مسلم یونیورسٹی کے کتب خانہ میں بابر کی دیوان کا ایک نسخہ موجود ہے جس پر جہانگیر نے داخل کتب خانہ کرنے کے حکم کے ساتھ ساتھ لکھا ہے: "خاصہ اول" یعنی اس کو اول درجہ کی کتابوں میں رکھا جائے۔

کاتب: مغلیہ دور میں کاتب کا اہتمام خاص طور سے کیا جاتا تھا۔ عہد مغلیہ سے قبل جو کتابیں لکھی گئیں وہ خط شکست کیا تھیں۔ اس عہد سے پہلے کوئی کتاب خط نستعلیق میں نہیں ملتی۔ مغل بادشاہوں کو زندگی کے ہر شعبہ میں نفاست، خوبصورتی دلآویزی کا خیال تھا چنانچہ انہوں نے اپنی کتابیں خط شکست کے بجائے خط نستعلیق میں لکھوائیں۔ بابر نے خود خط بابری ایجاد کیا۔ اکبر کے دربار میں بعض عالمگیر شہرت کے کاتب تھے جن کو زریں قلم، عنبریں رقم وغیرہ کے خطابات دیے گئے تھے۔ جہانگیر نے خطاطی کی جس پیمانہ پر سرپرستی کی اس کا اندازہ معاصر تاریخوں اور خود اس کی تزک سے ہوتا ہے۔ شاہجہاں خوبصورتی اور حسن کا شیدائی تھا۔ اس کی اس فطری دلچسپی کا اظہار صرف تاج محل اور جامع مسجد ہی کی صورت میں نہیں ہوتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خطاطی اسی کے عہد میں درجہ کمال کو پہونچی۔ خود شاہجہاں فن خطاطی کا ماہر تھا۔ عالمگیر نہایت باکمال کاتب تھا۔ اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن پاک کے نسخے اپنی پاکیزگی اور دلآویزی میں بے مثل ہیں۔ ان کے چند نمونے مسلم یونیورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہیں جن کے دیکھنے سے عالمگیر کے خط کی پختگی، صفائی اور خوبصورتی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مسلم یونیورسٹی کے کتب خانہ میں بہادر شاہ ظفر، دارا شکوہ، الٰہی بخش کے بھی لکھے ہوئے ہیں۔ ان کے دیکھنے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ شہزادوں کو یقیناً باقاعدہ خوش خطی کی مشق کرائی جاتی تھی۔ بہرحال شاہان مغلیہ کی سرپرستی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں کتابت کا فن بے حد ترقی کر گیا اور اس سے کتب خانوں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا۔ اس زمانہ کے ایک مشہور کاتب کا واقعہ تاریخی کتابوں میں ملتا ہے کہ جب کوئی سائل اس کاتب کے پاس جاتا اور سوال کرتا تو وہ کاتب اس شخص کو روپیہ پیسہ دینے کے بجائے کاغذ کے ایک پرزہ پر الف، ب لکھ کر دے دیا کرتا تھا۔ وہ سائل یہ حرف جس رئیس کے پاس لے جاتا وہ اس کو ضرور خرید لیتا۔

حاشیہ نگاری: عہد مغلیہ میں کتابوں کو جب نستعلیق میں لکھنے کا رواج شروع ہوا تو ان کو نقش و نگار سے سجانے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ جب شاہی توجہ اس طرف مبذول ہوئی تو یہ فن بھی ترقی کرنے لگا۔ کتابوں کے حاشیوں پر نقش و نگار بنائے جانے لگے۔ یہ رنگ سونے کے ورق مختلف جواہرات اور موتیوں سے بنائے جاتے تھے اور اس قدر پختہ ہوتے تھے کہ اگر ان پر پانی کی دھار بھی ڈالی جائے تو رنگ میں فرق نہ آتا تھا۔ بعض شاہی قرآن پاک کے نسخوں میں حاشیوں کی ترتیب اور رنگوں کی آمیزش حیرت انگیز ہے۔ موتی کو پیس کر اس کے پانی سے رکوع کے نشانات کو ظاہر کیا گیا ہے۔ جلد کے ابتدائی حصوں کو زمرد وغیرہ کے رنگوں سے دلآویز بنایا گیا ہے۔ نواب حبیب الرحمان خاں شیروانی مرحوم نے اپنے کتب خانے کی فہرست میں ایسی کتابوں کو جو حاشیہ پر طلائی کام کے باعث امتیاز رکھتی ہیں "الذہبیات" کے عنوان سے ترتیب دیا ہے۔ اٹھارہویں صدی کے آخر سے حاشیہ مزین کرنے کا فن انحطاط پذیر ہونے لگا۔ اس کی

ایک وجہ یہ بھی تھی کہ دربار کی سرپرستی جو حقیقتاً اس فن کی ترقی کا باعث ہوئی تھی اب ختم ہونے لگی تھی۔

مصور: کتابوں میں تصویر بنانے کا فن مغلیہ عہد میں انتہائی عروج پر پہونچ گیا تھا۔ مصوری کے نمونے عہد مغلیہ سے قبل بھی ملتے ہیں لیکن وہ تصویریں کتابوں پر کم اور دیواروں پر زیادہ بنائی جاتی تھیں۔ سلطان مسعود غزنوی کے محل میں ایسی تصویریں کثرت سے تھیں۔ سلطان فیروز شاہ تغلق نے تصویروں کو غیر شرعی سمجھ کر اپنے محل سے مٹوا دیا تھا۔ غرض عہد مغلیہ سے پہلے مصوری کا فن پوری طرح ترقی نہ کر سکا تھا۔ شاہان مغلیہ نے مصوری کو بیحد ترقی دی۔ اس کی ترقی کی ابتدا بابر کے عہد سے ہوئی۔ اس نے اپنے تزک کو نہایت اعلیٰ پیمانہ پر مصور کرایا۔ اکبر نے اپنے عہد میں سنسکرت کی بہت سی کتابوں کو مصور کرایا۔ سید علی تبریزی، دسونت، خواجہ عبد الصمد اور کیسو داس اکبری کے مشہور مصور تھے۔ ابو الفضل نے لکھا ہے کہ اکبر کے دربار میں سو مصور ایسے تھے جو یکتائے فن تھے۔ بدایونی نے لکھا ہے کہ خواجہ عبد الصمد خوشنویس کے ایک دانہ پر پوری قل ہو اللہ لکھ دیا کرتا تھا اور اس کا بیٹا شریف چاول کے ایک دانہ پر سپاہی کی تصویر مع اس کے سامان حرب کے بنا دیتا تھا۔ جہانگیر خود بھی اعلیٰ درجہ کا مصور تھا۔ ایک یوروپین مورخ نے لکھا ہے کہ جہانگیر کے دربار میں ایسے مصور تھے جو یورپ کی بہترین تصویروں کی نقل نہایت کامیابی سے کر سکتے تھے۔ رو (Roe) جب ہندستان آیا تو اس نے جہانگیر کو ایک نہایت عمدہ تصویر پیش کی۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس کی متعدد کاپیاں رو کو دکھائی گئیں جو اس کی پیش کی ہوئی تصویر سے اس قدر ملتی جلتی تھیں کہ رو دیکھ کر حیرت میں رہ گیا۔ جہانگیر کا ایک مشہور مصور منصور تھا جو جانوروں کی تصویر بنانے میں کمال رکھتا تھا۔ ابو الحسن انسانی تصویر غضب کی بناتا تھا۔ اس نے دربار جہانگیری کی ایک ایسی تصویر بنائی تھی کہ شہنشاہ نے اس کو جہانگیر نامہ کے سرورق پر لگانے کا حکم دیا تھا۔ تزک میں ایک مصور کا واقعہ لکھا ہے کہ اس نے ایک تصویر جہانگیر کی خدمت میں پیش کی۔ اس تصویر میں ایک عورت غسل سے فارغ ہو کر بیٹھی تھی اور ایک خادمہ اس کے پاؤں کے تلووں سے میل صاف کر رہی تھی۔ جہانگیر نے اس تصویر کو بہت پسند کیا اور پسندیدگی کی یہ وجہ بتائی کہ اس عورت کے چہرہ پر اس کیفیت کے پورے آثار ظاہر ہیں جو تلووں کو کھجاتے وقت محسوس ہوتی ہے۔ اس باریک تنقیدی نگاہ نے فن مصوری کو ترقی دی۔ مسلم یونیورسٹی کے کتب خانہ میں "مثنوی حسین" کا ایک مصور نسخہ ہے جس کی دیدہ زیب تصویریں یقیناً عہد مغلیہ ہی کے مصوروں کے کمال کی آئینہ دار ہیں۔

جلد ساز: کا کام نئی کتابوں کی جلدیں باندھنا اور پرانی کتابوں کی مرمت کرنا ہوتا تھا۔ عام طور پر یہ جلد ساز اپنے فن میں ماہر ہوتے تھے۔ مغلیہ عہد کی جو پرانی کتابیں ہم تک پہونچی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جلد سازی کا فن بھی اس عہد میں کمال کو پہونچ گیا تھا اور آج کئی صدیاں گذر جانے کے بعد بھی وہ کتابیں اپنی آب و تاب اور دلآویزی میں بے نظیر ہیں۔ محمد امین خراسانی اکبری عہد کا مشہور جلد ساز تھا۔ یہ اپنے فن میں بڑا کمال رکھتا تھا۔ جلدوں میں جو ابری کا کاغذ استعمال ہوتا ہے وہ اسی کی ایجاد ہے۔ مسلم یونیورسٹی کے کتب خانے میں سید حامد علی صاحب نے جو کتابیں عنایت کی ہیں ان میں بعض جلدیں عہد مغلیہ کی جلد سازی کی بہترین شاہکار ہیں۔ نواب حبیب الرحمان خاں شیروانی مرحوم نے اپنے کتب خانے کی فہرست میں ان کتابوں کو جو جلد سازی کے اعتبار سے نادر ہیں ایک علاحدہ عنوان "المجلدات" کے ماتحت ترتیب دیا ہے۔

وراق: کتابوں کی ورق گردانی کرتا تھا اور یہ دیکھتا تھا کہ کتابوں میں کیڑا تو نہیں لگا اور سیلن کا اثر تو نہیں ہو گیا۔ عام طور پر کتابوں کے شروع میں لفظ "کبیکج" لکھ دیا جاتا تھا جو دیمک کے بادشاہ کا نام ہے اور یہ عقیدہ تھا کہ اس کے بعد کتابیں کیڑوں سے محفوظ ہو جائیں گی لیکن واقعہ یہ ہے کہ اکثر کتابوں کے یہ الفاظ بھی کیڑوں نے کھا لیے۔ بہرحال کتابوں کو موسم اور کیڑوں سے محفوظ رکھنے کی پوری

گوشش کی جاتی تھی۔ نیم کی پتیاں رکھ کر کتابوں کے اندر رکھنا وراق کا کام تھا۔ ہرن کی چربی سے بچے ورق بنا کر کتابوں کے درمیان رکھے جاتے تھے اس کے بنانے کے لیے مخصوص لوگ ہوتے تھے اور یہ بھی ایک علاحدہ فن تھا جو مغلوں کے ذوق کا آئینہ دار تھا۔

محافظ: شاہی کتب خانوں کی حفاظت کے لیے ایک محافظ ہوتا تھا جس کا یہ کام تھا کہ کتب خانہ کے رقبہ کی نگرانی کرے تاکہ وہاں کوئی غیر معمولی حادثہ پیش نہ آئے۔

کتب خانوں کی بربادی

عالمگیر کے مرتے ہی سلطنت مغلیہ کا انحطاط شروع ہو گیا۔ کمزور جانشینوں میں تیموری سلطنت کے وسیع نظام کو قائم رکھنے کی طاقت اور صلاحیت نہ تھی۔ گو ان کو علم و ادب سے ذاتی لگاؤ تھا اور کتب خانے بھی کسی نہ کسی صورت سے قائم رہے لیکن جب سلطنت میں ضعف آ گیا اور قوم کی زندہ قوتیں مردہ ہو گئیں تو قدرتی طور پر وہ علمی سرگرمیاں باقی نہ رہیں جو اکبر و جہانگیر کے عہد کی خصوصیات تھیں۔ مغلیہ سلطنت کے زوال کو روکنے کے لیے ایک بھرپور قوت درکار تھی لیکن مالا ٹوٹ چکی تھی اور دانے بکھر گئے تھے۔

طوائف الملوکی اور سیاسی انتشار غالب آ چکا تھا اور عیش پرستی کا یہ حال ہو گیا تھا کہ حملہ آوروں کے نقل و حرکت کی خبر پا کر بزم عیش و طرب منعقد ہو جاتی تھی۔ ایسے ماحول میں علم و ادب کی کوششیں کیونکر بار آور ہوتیں اور کتبخانوں کا نظام کیسے فروغ پاتا۔ سلطنت مغلیہ کے زوال کے ساتھ کتب خانوں کا شیرازہ بھی منتشر ہو گیا اور رفتہ رفتہ نیست و نابود ہو گئے۔

شاہان مغلیہ کے کتب خانوں کی بربادی کی داستان عبرت انگیز ہے۔ ۱۷۳۹ء میں جب نادر شاہ نے دہلی میں لوٹ مار کی تو کوہ نور کے ساتھ ہندوستان کی معنوی دولت یعنی شاہان مغلیہ کے کتب خانوں کے بہترین نوادر بھی اپنے ساتھ ایران لے گیا اور کچھ عرصہ بعد یہ کتابیں ایران کے بازاروں میں کوڑیوں کے مول بکیں۔ جو کتب خانے باقی رہ گئے وہ مرہٹوں اور جاٹوں کی پیہم شورش اور لوٹ مار کے باعث منتشر ہو گئے اور ان کا بڑا حصہ اودھ منتقل کر دیا گیا، لیکن انقلاب زمانہ نے ان کو وہاں بھی محفوظ نہ رہنے دیا اور ایک مشہور عالم نے لکھنؤ کے بازاروں میں کتابوں کے ڈھیر کے ڈھیر لگے دیکھے جن پر سے لوگ جوتوں سمیت گزر رہے تھے اور وہ کتابیں ردی کے بھاؤ بک رہی تھیں۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں دہلی کے کتب خانے جس طرح سے برباد ہوئے اور یہ علمی خزانے جس طرح لوٹے گئے اس کا حال شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ خاں کی زبانی سنیے:

"بارہ بجے کے بعد سے کتب خانے لٹنے شروع ہوئے لیٹرے عربی، فارسی اور اردو وغیرہ کی کتابیں گٹھر باندھ کر کتب فروشوں اور مولویوں اور طالب علموں کے پاس بیچنے کے لیے لے گئے۔ بعض طلبا کتابوں کے شوقین بھی اس لوٹ میں خود شریک ہو کر اچھی اچھی کتابیں چھانٹ کر لے گئے۔ لوگوں نے کتابوں کے شیرازے توڑ کر ان کے پٹھے آدھے اتار لیے کہ جلد سازوں کے ہاتھ وہ بیچیں گے۔ باقی کتابوں کے ورقوں کو پھاڑ کر پراگندہ کر کے کالج کے باغ اور احاطہ میں گویا اپنے موٹا فرش ردی کا بچھا دیا۔ غرض کالج میں سوائے کاغذ کی دھجیوں کے...... کچھ اور نہ تھا۔"

اس خونی ہنگامہ کے بعد اگر ایک طرف ملک غلامی کی زنجیروں میں جکڑا گیا تو دوسری طرف کتب خانوں کو تباہ و برباد کر کے ذہنی انحطاط اور پستی کی بنیاد ڈال دی گئی۔ ہمارے کتب خانے لٹے اور ہمارے اسلاف کے خون جگر سے یورپ کے کتب خانوں کو زینت دی گئی۔ اس منظر سے متاثر ہو کر علامہ اقبالؒ نے بے اختیار کہا تھا ؎

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ